رسائل و مسائل

اللہ کے رازق ہونے کا مطلب

سوال ۔ میں آپ سے قرآن مجید کی درج ذیل آیت کا صحیح مفہوم سمجھنا چاہتا ہوں:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا

(زمین میں چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمے نہ ہو اور جس کے متعلق وہ نہ جانتا ہو کہ کہاں وہ رہتا ہے اور کہاں وہ سونپا جاتا ہے)

مجھے جو بات کھٹک رہی ہے وہ یہ ہے کہ جب رزق کا ذمہ دار اللہ ہے تو بنگال کے قحط میں جو تیس ہزار آدمی ۱۹۴۳-۴۴ء میں مر گئے تھے ان کی موت کا کون ذمہ دار تھا؟

جواب ۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ زمین پر جتنی مخلوقات ہیں ان سب کے رزق کا سامان خدا نے پیدا کیا ہے۔ یہ سامان اگر خدا نہ پیدا کرتا تو کون چھوٹے چھوٹے کیڑوں اور بھنگوں سے لے کر نوعِ انسانی تک، اس بے حد و حساب مخلوق کے لیے ہر ایک کی ضرورت کے مطابق رزق فراہم کر سکتا تھا۔ اب رہی یہ بات کہ مخلوقات میں سے کچھ افراد کبھی رزق نہ ملنے کی وجہ سے بھی مر جاتے ہیں، تو اس سے آخر یہ کہاں لازم آتا ہے کہ اللہ کے رازق ہونے کا انکار کر دیا جائے؟ اول تو آپ ذرا یہ اندازہ کریں کہ مخلوقات میں سے کتنے فی کروڑ، بلکہ کتنے فی ارب ایسے ہیں جو رزق نہ ملنے کی وجہ سے مرتے ہیں۔ دوسرے یہ بھی سمجھنے کی کوشش کیجیے کہ جس طرح خدا نے اپنی مخلوقات کے لیے زندگی کا بے حد و حساب سامان فراہم کیا ہے اسی طرح اس نے ان کے مرنے کے لیے بھی تو بے شمار اسباب پیدا کیے ہیں۔ روزانہ لاکھوں کروڑوں آدمی پیدا بھی ہوتے ہیں اور مرتے بھی ہیں۔ مرنے والے

ایک ہی طرح نہیں مرتے بلکہ بے شمار مختلف صورتوں سے مرتے ہیں۔ اور موت کی ان بے شمار صورتوں میں سے ایک صورت رزق نہ ملنا بھی ہے۔ جب موت کا وقت مقرر آپہنچتا ہے اس وقت رزق کی موجودگی بھی کسی متنفس کو موت سے نہیں بچا سکتی۔ صرف رزق ہی نہیں بلکہ زندگی اور موت کا سامان بھی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اس لیے عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا کے ساتھ يَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا بھی فرمایا گیا۔ (ا-م)

خوابوں کی پیروی

سوال:" میں گزشتہ نماز جمعہ کے بعد سو گیا۔ خواب میں دیکھتا ہوں کہ دو معمر سفید ریش بزرگ موجود ہیں۔ میں قریب آیا تو ان میں سے ایک حضرت مولانا . . . . . . ہیں اور دوسرے ان سے زیادہ عمر رسیدہ ہیں۔ مولانا . . . . . . مجھے علیحدہ تنہائی میں لے گئے اور فرمانے لگے کہ تم مولانا مودودی صاحب امیر جماعت اسلامی کی حمایت چھوڑ دو۔ یہ اچھی بات نہیں۔ اتنے میں آنکھ کھل گئی۔ اس دن سے عجیب تردد ہے۔ کیونکہ میں تو صرف متاثرین میں سے ہوں اور میری طرف سے جماعت کی حمایت للہیت پر مبنی ہے۔ اگر آنجناب کچھ تحریر فرما سکیں تو نوازش ہوگی"۔

جواب ۔ اِس معاملہ میں آپ کو کوئی مشورہ دینا میرے لیے مشکل ہے۔ آپ خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ اس خواب کی پیروی آپ کو کرنی چاہیے یا نہیں۔ مگر میں اس بات کا کبھی قائل نہیں رہا ہوں، نہ اسے صحیح سمجھتا ہوں کہ جن معاملات میں ہمیں بحالتِ بیداری، آنکھیں کھول کر عقل و علم کی روشنی میں رائے قائم کرنی چاہیے اُن کا مدار ہم خوابوں پر رکھ دیں اور ایسی حالت میں اُن کے متعلق رائے قائم کریں جب کہ الہام یا اَضْغَاثُ اَحْلَام یا اغوائے شیطانی کے سارے امکانات کھلے ہوئے ہوں۔ جو خواب آپ نے دیکھا ہے وہ تو بہت معمولی قسم کا ہے۔ قادیانیوں میں سے

بکثرت لوگوں نے اس سے بدرجہا زیادہ گمراہ کن خواب دیکھ ڈالے ہیں جن کی بنا پر وہ راہِ حق سے منحرف ہو کر قادیانیت اور اسی قسم کی دوسری ضلالتوں کی جانب مائل ہو گئے۔

کتنا دُودھ پینے سے حُرمتِ نکاح لازم آتی ہے

سوال۔ یہ مسئلہ اپنی جگہ تسلیم شدہ ہے کہ دودھ پینے سے حرمت واقع ہو جاتی ہے اور جن بچوں نے ایک ہی عورت کا دودھ پیا ہو ان کا باہمی نکاح نہیں ہو سکتا لیکن یہ میرے ذہن میں واضح نہیں کہ کتنی مقدار یا کتنی بار دُودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔ مَیں نے ایک حدیث میں پڑھا ہے کہ ایک یا دو مرتبہ دودھ پینے سے حرمت نہیں ہوتی اور ایک دوسری حدیث میں یہ بات نظر سے گزری کہ پانچ مرتبہ دودھ پینے سے حرمتِ نکاح ثابت ہوتی ہے۔ لیکن عام طور پر علما یہ بتاتے ہیں کہ دودھ خواہ ایک مرتبہ تھوڑا سا کیوں نہ پیا جائے، اس سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔ براہ کرم واضح کریں کہ کتنی مقدار اور کتنی دفعہ دودھ پینے سے نکاح حرام ہوتا ہے۔

جواب۔ یہ مسئلہ فقہاء کے درمیان اختلافی ہے کہ حُرمتِ رضاع کتنی مرتبہ اور کتنی مقدار دودھ پینے سے ثابت ہوتی ہے۔ فقہی مذاہبِ اربعہ میں سے حنفیہ اور مالکیہ کا مسلک یہ ہے کہ مطلقاً رضاعت سے حرمت واقع ہو جاتی ہے خواہ دودھ ایک ہی بار اور قلیل مقدار میں ہی پیا گیا ہو۔ شافعیہ کا مسلک یہ ہے کہ پانچ مرتبہ دُودھ پینے سے حُرمت واقع ہوتی ہے اور حنبلی مسلک کے مطابق تین مرتبہ دودھ پینے سے نکاح حرام ہوتا ہے

شوافع کے مسلک کی بنیاد بعض ایسی روایات پر رکھی گئی ہے جن میں بیان ہُوا ہے کہ قرآن میں پہلے یہ حکم نازل ہُوا تھا کہ دس مرتبہ دُودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے اور پھر یہ منسوخ ہو کر پانچ مرتبہ میں تبدیل ہو گیا لیکن یہ مسلک بہت کمزور ہے جسے کسی طرح قابل ترجیح قرار نہیں دیا جا سکتا۔ وجہ اس

کی یہ ہے کہ علم اصول کے محققین کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن مجید کا متن اخبار احاد اور شاذ روایات سے ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے ثبوت کے لیے قراءت ونقل کا تواتر درکار ہے۔ اس اصول کی روشنی میں وہ روائتیں قابلِ قبول اور لائق حجت نہیں ہو سکتیں جن میں غیر متواتر قرأتیں مذکور ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ جس مسلک کی بنیاد فقط قراءۃ شاذہ پر رکھی گئی ہو اور جس کے حق میں کتاب و سنت سے کوئی دوسری مضبوط دلیل موجود نہ ہو، اس مسلک کو قوی قرار نہیں دیا جا سکتا۔

دوسرا مسلک حنابلہ کا ہے جس کی رُو سے تین مرتبہ دودھ پینے سے حُرمت ثابت ہوتی ہے اس میں شک نہیں کہ بعض صحیح احادیث سے اس مسلک کی تائید ہوتی ہے۔ ان احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کا ایک ارشاد مبارک منقول ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک یا دو مرتبہ دودھ پینے سے حرمت واقع نہیں ہوتی۔ اسی سے فقہائے حنبلیہ نے یہ استنباط کیا ہے کہ حرمت ایک یا دو مرتبہ سے نہیں بلکہ تین مرتبہ کی رضاعت سے لازم آتی ہے۔ ان حضرات کا استدلال یہ ہے کہ یہ احادیث کتاب وسنت کے عمومی حکم تحریم کو مقید کر کے ان میں تخصیص پیدا کرتی ہیں۔ اصولاً یہ استدلال صحیح ہو سکتا ہے اور اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ قرآن وحدیث میں ایک مقام پر عام حکم بیان کیا گیا ہے، لیکن دوسرے مقام پر اس کی کچھ تفصیل یا تخصیص بیان کی گئی ہے اور عمل اسی مخصوص یا مفصل صورت حکم پر کیا جاتا ہے۔

لیکن رضاعت سے متعلق جن احادیث پر حنبلی مذہب کا انحصار ہے، ان کے بارے میں ایک مشکل درپیش ہے اور وہ یہ ہے کہ جن احادیث سے ایک یا دو مرتبہ دودھ پینے سے عدمِ تحریم کا ثبوت فراہم کیا جاتا ہے، وہ اپنے مفہوم ومدعا میں پُوری طرح واضح اور ناطق نہیں ہیں۔ ان میں مَصَّۃٌ او مصّتان، رضعۃ او رضعتان، املاجۃ او املاجتان کے الفاظ مروی ہیں۔ یہاں جو تثنیہ کا صیغہ استعمال ہوا ہے، اس سے مراد مختلف اوقات میں دو مرتبہ دُودھ پینا بھی ہو سکتا ہے اور ایک ہی نشست میں بیک وقت دو دفعہ چھاتی چُوسنا یا دودھ پینا بھی ہو سکتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ آنحضورؐ کے ارشاد کا مطلب یہ ہو کہ بچہ ایک وقت میں

اگر ایک یا دو چسکیاں لگائے تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ اس سے دودھ کا منہ تک پہنچنا یقینی نہیں ہوتا، لیکن دو سے زائد مرتبہ اگر بچہ دودھ چوسے تو دودھ یقیناً اس کے مُنہ میں داخل ہو کر پیٹ تک چلا جائے گا۔ بہر کیف ان احادیث سے حنبلیہ کا استدلال اشکالات سے خالی نہیں ہے۔

اس کے بعد اب حنفیہ، مالکیہ اور ان دوسرے فقہاء و مجتہدین کا مسلک رہ جاتا ہے جو رضاعت کی ہر تعداد اور قلیل و کثیر مقدار کو موجب حُرمت قرار دیتے ہیں۔ ان حضرات کا استدلال قرآن و حدیث کی ان عمومی نصوص سے ہے جن میں علی الاطلاق تحریم رضاعت کا حکم بیان ہوا ہے۔ قرآن مجید میں ہے: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ . . . . وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ (حرام کی گئیں تم پر تمہاری مائیں . . . . اور تمہاری رضاعی بہنیں)، اور حدیث میں ہے: یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من النسب (جو رشتے نسب کے اعتبار سے حرام ہیں وہ رضاعت کے لحاظ سے بھی حرام ہیں) ان نصوص میں مطلقاً رضاعت کی بنا پر نکاح حرام کیا گیا ہے اور رضاعت کا اطلاق ایک مرتبہ دُودھ پینے پر بھی اُسی طرح ہوتا ہے جس طرح زیادہ مرتبہ پینے پر ہوتا ہے۔ یہ مسلک فقط احناف و مالکیہ کا نہیں ہے بلکہ امت کی اکثریت کا مسلک یہی ہے۔ امام نووی نے شرح مسلم میں اسے جمہور علماء کا مسلک قرار دیا ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی مسوّیٰ شرح مؤطا میں لکھا ہے کہ اکثر فقہاء اسی طرف گئے ہیں۔

اس معاملے میں ایک پہلو جو مزید قابلِ غور ہے، وہ یہ ہے کہ آج کل طبائع میں اتنا فساد پیدا ہو چکا ہے کہ اگر لوگوں کو حنبلی مسلک پر عمل کرنے کی اجازت دی جائے تو اس بات کا شدید خطرہ ہے کہ لوگ اس سے ناجائز فائدہ اٹھائیں گے اور جہاں تین مرتبہ دودھ پلایا گیا ہوگا وہاں بھی یہ کہہ دیا جائے گا کہ دُودھ فقط ایک یا دو مرتبہ پلایا گیا ہے۔ رضاعت کی شہادت اور اس کے ثبوت کی فراہمی کا مسئلہ ویسے بھی اچھا خاصا پیچیدہ اور مشکل ہے۔ اب اس کے ساتھ اگر تعداد رضاعت کا سوال بھی تحقیق طلب بن جائے، تو اس سے بہت سے لاینحل نزاعات

پیدا ہوں گے، جن میں صحیح فیصلہ کرنا محال ہو گا۔

ان وجوہ و دلائل کے پیشِ نظر اکثریت ہی کا یہ مسلک قابلِ ترجیح اور مبنی بر احتیاط قرار پاتا ہے کہ حرمتِ رضاعت کے حکم کو اس کے عموم پر رکھا جائے اور مجرّد دودھ پینے کو موجبِ تحریم سمجھا جائے، خواہ دُودھ ایک وقت میں پیا جائے یا مختلف اوقات میں اور ایک گھونٹ پیا جائے یا کئی گھونٹ پیے جائیں۔ (غ-ع)

موت، دُعا اور تقدیر

سوال:- اس وقت میں آپ کو یہ خط انتہائی پریشانی کی حالت میں لکھ رہا ہوں۔ آج سے تقریباً ڈیڑھ ماہ پیشتر میری اہلیہ کا مختصر علالت کے بعد انتقال ہو گیا اور منجملہ دیگران گنت فرائض کے پانچ بچوں کی پرورش اور مکمل نگہداشت کی ذمہ داری بھی پُورے طور سے مجھ پر عائد ہو گئی ہے تیس سالہ ازدواجی زندگی کے اس طرح یکایک منقطع ہو جانے سے جو صدمہ مجھے پہنچا ہے اس کا اندازہ آپ بخوبی لگا سکتے ہیں۔

جذبات کے اس تلاطم سے شیطان پُورے طور پر فائدہ اٹھانے میں مصروف ہے اور مختلف قسم کے پریشان کُن خیالات جو مارہائے خفتہ کی مانند دماغ کے کونوں میں دبکے پڑے تھے ازسرِنو بیدار ہو کر ذہنی انتشار میں اضافہ کا باعث بن رہے ہیں۔ اہلیہ کے انتقال کے فوراً بعد ہی سے یہ سوال دل و دماغ پر مسلط ہو چکا ہے کہ آخر وہ کونسا گناہِ عظیم تھا جس کی پاداش میں مجھے اور میری اولاد کو یہ سزا دی گئی اور اگر یہ واقعی گناہ کا نتیجہ ہے تو میرے معصوم بچوں کو اس میں کیوں شامل کر لیا گیا؟ اس کے جواب میں مجھ سے یہ کہا گیا ہے اور کئی مرتبہ میں بھی اپنے آپ سے یہی کہتا ہوں کہ ہر انسان بہر حال گناہ گار ہے اور اپنے گناہوں کی مغفرت کے لیے ہم جتنی بھی اللہ تعالیٰ کے حضور لجاجت سے دعا کریں کم ہے، مگر موت کی مصیبت چونکہ اللہ تعالیٰ کے

بڑے بڑے نیک بندوں پر بھی جن کی نظیر پیش کرنا شاید ممکن نہیں، آچکی ہے اور اس کے تلخ عواقب سے نہ صرف خود انہیں بلکہ ان کی بے مثال اولادوں کو بھی دوچار ہونا پڑا ہے، لہٰذا یہ حکم لگانا کہ فلاں موقع پر موت کا وقوع کسی خاص گناہ یا گناہوں کے کسی خاص مجموعے کی پیداوار تھا، غالباً درست نہ ہوگا۔

مزید براں دعا مانگنے کے بارے میں بھی متعدد ظنون و اوہام پیدا ہوگئے کہ یہ عمل واقعی وہ تاثیر رکھتا ہے یا نہیں جو عموماً اس کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ میں نے اور میرے بچوں نے مرحومہ کی صحت یابی کے لیے سینکڑوں دعائیں کیں مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ اس کے بعد سے میں نے دعا مانگنا ترک تو نہیں کیا مگر منافقت ہوگی اگر میں یہ کہوں کہ اہلیہ کے بارے میں دعاؤں کے رائگاں جانے سے مجھے کمال درجے کی مایوسی نہیں ہوتی۔ میرے بچوں پر اس کا اثر بہت برا ہوا ہے اور وہ دعا کے قائل ہی نہیں رہے پچھلے دنوں میں نے ان کو اس امر کی ترغیب دلانا چاہی تو وہ مجھ سے کہنے لگے کہ "آپ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ خدا سے دعا کیا کرو۔ وہ سنتا بھی ہے اور قبول بھی کرتا ہے۔ ہم نے اپنی ماں کے لیے بے شمار مخلصانہ دعائیں کیں مگر ایک بھی مستجاب نہ ہوئی"۔

علاوہ ازیں سب سے زیادہ ایک پیچیدہ اور تکلیف دہ سوال جو اس سے پیشتر بھی کئی دفعہ پیدا ہو چکا ہے مگر جس کی تلخی اور شدت موجودہ حالات میں کئی گنا زیادہ محسوس ہوئی وہ پیمانۂ عمر کی مقدار اور موت کے مقدر ہونے سے تعلق رکھتا ہے۔ قرآن کریم میں یہ حقیقت بصراحت مذکور ہے کہ موت کا وقت معین ہے اور وہ کسی طرح آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔ اس کے بالمقابل مشاہدہ ہمیں بتلاتا ہے کہ خود ہمارے ملک میں جوں جوں علم کی روشنی پھیلتی جا رہی ہے افراد کی اوسط عمر میں رفتہ رفتہ اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور اہلِ مغرب کی اوسط عمر مدتوں اہل مشرق کی اوسط عمر سے زیادہ رہی ہے اور آج بھی ہے۔ ان حقائق سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عمر کی کمی بیشی شاید ان معنوں میں مقدر نہیں جن معنوں میں ہم اسے مقدر سمجھتے آئے ہیں بلکہ انسانی سعی و کوشش بھی عمر کے بڑھانے اور گھٹانے میں دخیل ہے۔ مجھے اس امر کا پورے طور پر احساس ہے کہ یہ سوال جبر و قدر کے عام مسئلہ ہی کا ایک جزء ہے اور اس میں محض استدلال کی مدد سے کسی صحیح نتیجے تک پہنچنا شدید

ممکن نہیں۔ مگر جیسا کہ آپ بخوبی جانتے ہیں محض یہ کہہ کر ان مسائل سے اغماض نہیں کیا جا سکتا

جواب: آپ کی پریشانیوں کا حال معلوم کر کے افسوس ہوا۔ آپ کو اپنی اہلیہ مرحومہ کی وفات کے سبب سے جو اضطراب لاحق ہے اور جس ذہنی کیفیت سے آج کل آپ گذر رہے ہیں اس میں صبر کی تلقین کرنا گویا فطرت سے لڑنے کا مشورہ دینا ہے لیکن درحقیقت اس صورتِ حال میں صبر کے سوا کچھ بھی انسان کے بس میں نہیں ہے۔ صبر نہ کرے تو اس نقصان کی تلافی بہر حال نہیں ہو سکتی جو پہنچ چکا ہے، صرف اپنی تکلیف ہی میں اضافہ ہو سکتا ہے۔

آپ کا یہ خیال کرنا صحیح نہیں ہے کہ آپ کی اہلیہ کی وفات کوئی سزا ہے جو آپ کو یا آپ کے بچوں کو دی گئی ہے۔ دراصل یہ سزا نہیں بلکہ ان بے شمار آزمائشوں میں سے ایک آزمائش ہے جو دنیا کی اس امتحان گاہ میں انسان کو لازماً پیش آتی ہیں۔ دنیا میں کوئی انسان غیر فانی نہیں ہے۔ ہر ایک کو لازماً کسی نہ کسی وقت مرنا ہے۔ اور موت بہر حال اس شرط کے ساتھ نہیں آتی کہ مرنے والا اپنے پیچھے کوئی ایسا شخص نہ چھوڑے جس کے لیے اس کی موت وجہ پریشانی بن سکے۔ بچے، جوان، بوڑھے، سب مرتے ہیں۔ اکثر مرنے والے ایسی حالت میں مرتے ہیں جس سے بہت سے دوسرے انسانوں کے لیے رنج و غم کے علاوہ بہت سی الجھنیں بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔ دنیا کی بہت سی دوسری آزمائشوں کی طرح اس آزمائش سے بھی کبھی نہ کبھی انسان کو ضرور ہی سابقہ پیش آتا ہے۔ اس پر دل برداشتہ ہونے کے بجائے اللہ سے دعا کرنی چاہیے کہ وہ اس سے بخیر گزرنے کی طاقت بخشے اور ان مشکلات کو رفع کر دے جو اس سے رُونما ہوئی ہیں۔

دعا کے بارے میں بھی یہ سمجھ لیجیے کہ دعا ایک درخواست ہی ہے جو مالکِ کائنات سے کی جاتی ہے۔ مالک ہر دعا کو قبول کرنے کا پابند نہیں ہے، اور نہ وہ اس شرط کے ساتھ مانگنی چاہیے کہ مالک لازماً اس کو قبول ہی کرے۔ ہمارا کام صرف اس سے التجا کرنا ہے۔ یہ اس کے مالک ہونے اور ہمارے بندہ ہونے کا عین تقاضا ہے۔ وہ قبول کرے تو اس کا کرم۔ نہ قبول کرے تو اس کو اختیار ہے۔ اگر معمولی انسانی حکومتیں بھی ہر سائل کی ہر درخواست کو قبول نہیں کرتیں اور ان کے قبول نہ کرنے کی وجہ بہت سی ایسی مصلحتیں ہوتی ہیں جنہیں سائلین نہیں جانتے، تو آخر کائنات کی حکومت کیسے ہماری ہر درخواست کو

قبول کر لینے کی پابند ہو سکتی ہے اور کائنات کا یہ نظام کیسے چل سکتا ہے اگر ہر دُعا مانگنے والے کی ہر ایک دُعاؤں کی توں قبول کر لی جاتے۔

پیمانۂ عمر کے بارے میں جو سوال آپ نے کیا ہے اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ آج تک کسی تدبیر سے بھی انسان اس پر قادر نہیں ہو سکا ہے کہ ہر انسان کی عمر خود مقرر کر دے اور یہ طے کر دے کہ اس عمر کو پہنچنے سے پہلے کوئی شخص نہ مرنے پائے گا۔ آج تمام انسانی تدبیروں کے باوجود ہر عمر کے آدمی مر رہے ہیں، عین ہسپتالوں میں مر رہے ہیں، اور ایسے ایسے با وسیلہ آدمی بھی مر رہے ہیں جن کو علاج کی بڑی سے بڑی ممکن سہولتیں میسر آسکتی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ اعداد و شمار کی بنیاد پر بس یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ بچوں کی اموات کی شرح کم ہو گئی ہے اور انسان کی اوسط عمر میں اضافہ ہو گیا ہے۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ انسان کے ہاتھ میں عمر کا سر رشتہ آگیا ہے۔ درحقیقت جس طرح تمام شعبہ ہائے زندگی میں اللہ تعالیٰ بتدریج انسان پر قوانینِ کائنات کے اسرار کھول رہا ہے، اور رفتہ رفتہ اس کو مزید ذرائع پر دسترس عطا کر رہا ہے، اسی طرح انسانی امراض کے اسرار بھی وہ اس پر منکشف کرتا جا رہا ہے، ان کے علاج کے ذرائع بھی اس کو دیتا جا رہا ہے، اور اسی کے مطابق وہ انسان کی تقدیر بھی بدلتا جا رہا ہے۔ لیکن بہر حال تمام دوسرے معاملات کی طرح اس معاملہ میں بھی انسان کی تقدیر ہے خدا ہی کے ہاتھ میں۔ اور آج بھی جب کسی انسان کی موت کا وقت آجاتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے مرنے سے بچا نہیں سکتی۔

میرے خیال میں آپ کو موجودہ ذہنی پریشانی سے نکلنے میں جو چیز سب سے زیادہ مدد دے سکتی ہے وہ قرآن مجید کا غائر مطالعہ ہے۔ اگر میری تفسیر تفہیم القرآن آپ کے پاس ہو تو آپ اس زمانے میں فرصت کے اوقات زیادہ تر اس کے مطالعہ میں صرف کریں۔ امید ہے کہ اس سے آپ کو سکونِ قلب حاصل کرنے میں بہت مدد ملے گی۔ (ا-م)